Al-Mahdi Research Journal
Vol. 1, No. 4 (Oct-Dec 2020)

بہاولپور کے اقلیتی تعلیمی اداروں کا طریقہ ٔ تعلیم اور معاشرے پر ان کے اثرات

The method of education of Bahawalpur minority educational institutions and their impact on the society

Abid Javaid[1]

Abstract:

This article addresses a very important topic which is the need of tha time. The people of the country are saddened and saddened by these incidents. Despite this, there are sporadic incidents of propaganda against Pakistan that Pakistan is not a safe country for minorities. Those who are propagandizing against Pakistan on a global scale and making the country a victim of disrepute should not be given any opportunity to do so which they can use as a basis to spread poisonous propaganda. We need to not only keep an eye on such characters in the society but also fight against those who are prone to extremism and whose words and deeds have a bearing on sectarian harmony in the country. One of the major problems of the beloved homeland is that our society is divided into sects. Apart from the Muslim minorities, the main problem is sectarianism, which not only creates an atmosphere of hatred in the society, but also leads to sectarian clashes and targeted killings of opposing sects. The country's atmosphere is affected. This kind of atmosphere is not temporary but continuous and the lack of this mentality is the cause of problems in its place. We have to instill in ourselves the substance of tolerance and tolerance so that differences and disagreements are limited. They must not be allowed to spread to the society. Wherever contradictions arise, in order to fulfill the responsibility of dealing with them in the best possible way, the scholars, scholars, intellectuals and the media should make it their first priority to play their best role. - It is the duty of every Pakistani without distinction to play a role in the development of the beloved homeland and to work for its prosperity. It is also a requirement of love for the beloved homeland. We also need social tolerance. Will be ordered. If we follow it, there will be no grievance of deprivation of any element and no unpleasant situation will arise.

Key Words: Minorities, Educational & Religious Institutes, Bahawalpur, Population, Society

[1] M.Phil Islamic Studies, PST The Punjab Education Department, Multan, abidjaved9193@gmail.com

تعارف

اس پیپر کی ابتداء میں جو مواد دیا گیا ہے یہ محقق کی عرق ریزی کا ثمرہ ہے جو بذریعہ انٹرویو حاصل کیا گیا ہے۔ پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر پروپیگنڈہ کرنے اور ملک کو بدنامی کا شکار بنانے والوں کو اس امر کا کوئی موقع نہیں دینا چاہیئے جسے بنیاد بنا کر وہ زہریلا پروپیگنڈہ کر سکیں۔ ہمیں معاشرے میں ایسے کرداروں پر نہ صرف نظر رکھنے کی ضرورت ہے بلکہ ان کا مقابلہ بھی کیا جائے جو انتہا پسندی پر مائل ہوں اور ان کے قول و فعل سے ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر حرف آتا ہو۔ وطن عزیز کا ایک سنگین مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمارا معاشرہ فرقوں میں بٹا ہوا ہے۔ غیر مسلم اقلیتوں کو ایک جانب رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو زیادہ مسائل کا باعث فرقہ واریت کا ناسور ہے جس کے باعث نہ صرف معاشرے میں منافرت کی فضا پھیلتی ہے بلکہ فرقہ وارانہ تصادم اور مخالف فرقے کی ٹارگٹ کلنگ کے واقعات سے من حیث المجموع ملکی فضا متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح کی فضا وقتی نہیں بلکہ تسلسل سے رہتی ہے اور اس میں کمی کا نہ آنا اپنی جگہ مسائل کا باعث ہے۔ ہمیں اپنے اندر اس قدر برداشت اور تحمل کا مادہ پیدا کرنا ہو گا کہ اختلافات اور اختلاف رائے ایک دائرے کی حد تک ہی ہو۔ ان کا پھیلاؤ معاشرے تک نہیں ہونے دینا ہو گا۔ جہاں جہاں تضادات سامنے آئیں ان کو احسن طریقے سے نمٹانے کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے علماء فضلا ادباء دانشوروں اور میڈیا کو اپنا احسن کردار نبھانے کو ترجیح اول بنانا ہو گا۔۔ وطن عزیز کی تعمیر و ترقی میں کردار ادا کرنا اور اس کی خوشحالی کے لئے کمربستہ ہونا بلا امتیاز ہر پاکستانی کا فرض بھی ہے اور وطن عزیز سے محبت کا تقاضا بھی، معاشرتی رواداری ہماری ضرورت بھی ہے فریضہ بھی اور بطور مسلمان ہمیں اس کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم اس پر عمل پیرا رہیں تو کسی عنصر کو محروم رہنے کا شکوہ نہ ہو گا اور نہ ہی ناخوشگوار صورتحال پیدا ہو گی۔

اسی ہم آہنگی کو فروغ دینے کیلئے اس تحقیقی مقالہ میں خصوصیت کے ساتھ اقلیتی برادری کے تعلیمی اداروں کو تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے چاہے وہ عصری تعلیمی ادارے ہوں یا پھر مذہبی ادارے۔ پاکستانی نسل نو کی ذہنی اور روحانی آبیاری میں ان اداروں کی بہت بڑی حصہ داری ہے۔

بہاولپور میں موجود اقلیتی تعلیمی اور مذہبی ادارے

بہاولپور شہر میں درج ذیل اقلیتی ادارے موجود ہیں۔ جن کا اب تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ سینٹ ڈومینک H/SS فار بوائز

وقوع: ادارہ محمد بن قاسم روڈ پر سرائیکی چوک کے نزدیک واقع ہے ماڈل ٹاؤن اے میں سینٹ ڈومینک چرچ کے ساتھ واقع ہے۔

بنیاد: اس سکول کی بنیاد Dominican Father نے 1957ء میں رکھی۔

وجہ تسمیہ: 12ویں صدی کے عظیم مسیحی سینٹ ڈومینک کی وجہ سے اس کا نام رکھا گیا۔

قومیانہ: ادارہ ھذا کو 1974ء میں حکومت نے دوسرے تمام پرائیویٹ اداروں کی طرح اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

مسیحی برادری کو واپسی: 2002ء میں ادارہ کو جنرل مشرف کی حکومت نے مسیحی برادری کی تحویل میں دے دیا۔

پرنسپل: فادر ندیم جوزف OP۔

ایم اے ایجوکیشن، ایم اے سیاسیات۔ ایم فل سکالر (EDU) 2002ء سے پرنسپل ہیں۔

تعیناتی: پرنسپل کی تعیناتی علاقہ بشپ نے کی۔

اکیڈمک کمیٹی:

پرنسپل اور ان کے علاوہ 4 ارکان پر مشتمل ہے جو نصاب امتحان وغیرہ کے بارے میں مشورہ / فیصلہ کرتے ہیں۔

آرگنائزنگ کمیٹی:

آرگنائزنگ کمیٹی کا بھی پرنسپل سربراہ ہوتا ہے جبکہ اس میں بھی چار ارکان شامل ہوتے ہیں۔ جو کہ نظم وضبط اور Co-Curricular Activities کے متعلقہ فیصلے کرتے ہیں۔

میڈیم:

کلاسز مکمل طور پر انگلش میڈیم ہیں۔

آمدنی واخراجات:

ادارہ اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے فیس لیتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات Donors بھی مدد کرتے ہیں۔

فیس رعایت / معافی:

یتیم بچوں کو فیس میں رعایت ملتی ہے، جبکہ حالات کے پیش نظر بعض اوقات مکمل فیس بھی معاف کر دی جاتی ہے۔

مونوگرام:

"Truth" سکول کا مونوگرام ہے۔ جس کے بارے میں ہمیشہ تعلیم دی جاتی ہے اور ترغیب دی جاتی ہے کہ St.Dominic کی تعلیمات کے مطابق "Truth" کا پرچار کریں۔

نصاب:

ادارہ ھذا میں گورنمنٹ آف پنجاب کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ غیر مسلم طلبہ کے لئے اسلامیات کی بجائے اخلاقیات کی تعلیم کا بندوبست ہے۔ تاھم اگر کوئی غیر مسلم چاہے تو وہ اسلامیات پڑھ سکتا ہے۔

طلبہ کے والدین سے رابطہ:

یوم والدین، فن فیئر، لیبر ڈے، پیس ڈے، تقریب تقسیم انعامات وغیرہ کا انتظام ہے۔ مزید بر آں والدین سے فون پر بھی رابطہ رکھا جاتا ہے۔

ہم نصابی سر گرمیاں:

طلبہ میں کانفیڈینس پیدا کرنے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں جیسا کہ تقریر، ڈرامہ، مباحثہ وغیرہ اس کے علاوہ ان ڈور آؤٹ ڈور کھیلوں کا بھی اہتمام ہے۔

کلاس روم سائز:

کلاس میں 35-40 طلبہ ہوتے ہیں۔ تعداد زیادہ ہونے پر مزید سیکشن تشکیل دے دیا جاتا ہے۔

:Concept of Punishment

ادارہ میں جسمانی سزا کی قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ طلبہ کی سرزنش کرنا بھی منع ہے۔ اس سے ان کی صلاحیتوں پر منفی اثر پڑتا ہے۔

تربیت اساتذہ:

کیتھولک بورڈ آف ایجوکیشن ملتان کی طرف سے تین ماہ بعد یا کبھی چھ ماہ بعد تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔

:Teaching Strategies

وائٹ بورڈ، ملٹی میڈیا پروجیکٹر وغیرہ۔

لائبریری:

ادارہ میں ایک فارمل ایجوکیشن کی لائبریری ہے۔ جس میں ناول وغیرہ تو دستیاب ہیں تاہم مذہبی کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔

الحاق بورڈ:

ادارہ کا BISE بھاولپور سے الحاق ہے۔

سیکیورٹی:

ادارہ نے فول پروف سیکیورٹی کا اہتمام کر رکھا ہے۔

فارغ التحصیل طلبہ:

ادارہ ھذا کے فارغ التحصیل طلبہ زندگی کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

زیادہ تر طلبہ طب، سول سروس، انجینئرنگ، زراعت اور معاشیات کے میدان میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

2۔ سینٹ میریز گرلز ہائی سکول

سکول اسلامی کالونی یزمان روڈ بہاول پور بر لب سڑک پر واقع ہے۔

بنیاد:

ادارہ ھذا کی بنیاد فادر ہائی سن نے اپریل 1980ء میں رکھی۔

پرنسپل:

فادر افتخار مون OP کو Dioces بشپ نے 2015-06-01 سے سکول ھذا کا پرنسپل متعین کیا ہے۔ تاہم انتظامی طور پر منیر مسیح 1980ء یعنی قیام سے ہی بطور انچارج کام کر رہے ہیں۔

1980ء میں بطور پرائمری سکول آغاز ہوا، 1990ء میں مڈل منظور ہوا اور بشپ کی طرف سے بلڈنگ بھی میسر ہوئی۔

2009ء میں ہائی سکول کا الحاق BISE بہاول پور سے ہوا۔

تعداد طلبہ:

ادارہ ھذا میں 325 طلبہ زیر تعلیم ہیں جن میں سے 10 مسلمان طلبہ بھی شامل ہیں۔ مڈل تک مخلوط تعلیم ہے جبکہ نویں دسویں تک صرف لڑکیاں ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

اب ہائی سکول (بوائز) بھی منظور ہو چکا ہے۔ اور بشپ کی طرف سے بلڈنگ عنایت کی گئی ہے۔

رقبہ:

تقریباً 4 کنال

تعلیمی معیار اساتذہ:

اساتذہ کی تقرری کے لئے اہلیت ایم۔اے / ایم۔ایس۔سی رکھی گئی ہے۔ مخلوط سٹاف ہے۔

تعداد اساتذہ:

15 ٹیچنگ اور 4 نان ٹیچنگ پر مشتمل ہے۔

بطور مشنری ادارہ:

ادارہ مشنری طرز کا ہے کیوں کہ جس علاقہ میں سکول قائم ہے اس علاقہ میں زیادہ تر لوگوں کا تعلق Backward یعنی بھنگی پیشہ خاندانوں سے ہے۔لہذا اس علاقے میں بچوں کو تعلیم دینا مشکل، لیکن اہم کام ہے۔

سکول کی آمدنی اور اخراجات:

سکول ھذا کم از کم فیس لے کر طلبہ کو تعلیم دے رہا ہے۔اپریل 2016ء سے مڈل کلاسز PEF کی جانب سے EVS پروگرام کے تحت ادائیگی کی جارہی ہے۔ ادارہ میں کافی طلبہ کم از کم فیس دینے سے بھی قاصر ہیں، لہذا ادارہ مالی طور پر مشکلات کا شکار ہے۔کیوں کہ ڈونرز کی بھی توجہ اس جانب نہیں ہو سکی۔

میڈیم:

ادارہ اردو میڈیم ہے لیکن اب حال ہی میں کلاسز انگلش میڈیم میں شروع ہو گئی ہیں۔

انتظامات:

ادارہ کے انتظام کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں۔

انتظامی کمیٹی:

انچارج اور اس کے علاوہ 2 ارکان پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ٹیچر، پیرینٹس کمیٹی انچارج کے علاوہ 4 ارکان پر مشتمل ہے۔

سکول کے اوقات:

گرمیوں میں سکول کے اوقات 7:10 سے 1:00

جبکہ سرما میں 8:10 سے 2:10 ہیں۔

نصاب:

ادارہ PTB کی کتابیں گورنمنٹ آف پنجاب کی ہدایت کے مطابق پڑھاتا ہے۔غیر مسلم طلبہ اخلاقیات پڑھتے ہیں جبکہ مسلم طلبہ اسلامیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ طلبہ کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی کتابیں پڑھیں۔

جسمانی سزا:

ادارہ میں جسمانی سزا مکمل طور پر ممنوع ہے۔ اخلاقی کہانیوں سے تربیت دی جاتی ہے۔

تربیت اساتذہ:

کیتھولک بورڈ آف ایجوکیشن ملتان کی طرف سے منعقدہ تربیت اور PEF کی طرف سے بھی ریفریشر/ٹریننگ ہوتی ہے۔

مونوگرام:

ادارہ کا مونوگرام (Love, Wisdom, Truth) ہے جس کے پیش نظر طلبہ کو محبت، بھائی چارہ، مل جل کر کام کرنا اور عوام کے کام آنا کی ترغیب دی جاتی ہے۔

لائبریری:

ادارہ میں لائبریری بھی موجود ہے تاہم دور جدید کی ضروریات کے مطابق ناکافی کتب ہیں۔

ادارہ اس کو اپ ڈیٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور کتب کے حصول کے لئے NGOS سے رابطہ کیا جا رہا ہے۔

ہم نصابی سرگرمیاں

سکول میں ادبی سرگرمیوں کی طرف بھی کافی توجہ دی جاتی ہے۔ ہفتہ والے دن ادبی پروگرام منعقد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خاص موقعوں پر (کرسمس، ایسٹر، مدر ڈے) وغیرہ بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔

ان ڈور کھیلوں کے لئے بھی طلبہ کو ہر ماحول میسر ہے۔

معاشرہ سے رابطہ:

ادارہ کے ذمہ دار ارکان طلبہ کے والدین سے رابطہ کے لئے Door to Door جاتے ہیں۔

سیکیورٹی:

ادارہ نے ایک سیکیورٹی گارڈ کا تعین کیا ہوا ہے جو سکول کی سیکیورٹی کا خیال رکھتا ہے۔

فارغ التحصیل:

اس ادارہ کے فارغ طلبہ، پولیس، فوج اور ہسپتال میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔

:Teaching Strategies

موئثر اور تیز لرننگ کے لئے وائٹ بورڈ، چارٹ کارڈز وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

3۔ سینٹ پیٹرز ہائی سکول

وقوع:

یہ سکول ماڈل ٹاؤن اے میں سہیل روڈ پر نزد پنجاب کالج فار گرلز واقع ہے۔

قیام:

سکول 2010ء میں قائم کیا گیا۔

پرنسپل:

جاوید رحمت بانی اور پرنسپل ہیں۔

تعداد طلبہ:

سکول میں 300 طلباء ہیں۔ جن میں 150 بوائز اور 150 گرلز ہیں۔ ان میں تقریباً 45 کرسچین بچے ہیں۔ ان طلبہ میں سے 100 ایسے ہیں جو صرف کونوینٹ سکول کیلئے داخلہ ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہیں۔

پانچویں تک مخلوط تعلیم ہے۔ تاہم چھٹی سے دسویں تک علٰیحدہ علیحدہ پورشن ہیں لیکن تدریس کیلئے صرف معلمات ہی ہیں۔

تعداد اساتذہ:

26 اساتذہ یہاں تدریس کرتے ہیں۔ جن میں ایک مرد ہے۔

معیار:

اساتذہ کی تعلیمی قابلیت ایم اے۔ ایم ایس سی ہے۔

آمدنی واخراجات:

یہ ادارہ کسی بھی این۔جی۔او کی امداد کے بغیر کام کرتا ہے۔ لہٰذا طلباء سے فیس وصول کی جاتی ہے۔ اور ان کو معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔ تاہم یتیم بچوں کو فیس میں رعائت دی جاتی ہے۔

میڈیم:

مکمل طور پر انگلش میڈیم کلاسز ہوتی ہیں۔

نصاب:

گورنمنٹ آف پنجاب کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

الحاق:

BISE بہاولپور سے الحاق ہے۔ غیر مسلم طلباء کو اسلامیات کی بجائے اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

لائبریری:

سکول میں جدید ترین لائبریری موجود ہے۔

لیبارٹری:

سکول میں سائنس کی لیبارٹری بھی ہے۔

تدریسی حکمت عملیاں:

وائٹ بورڈ، پروجیکٹر، ملٹی میڈیا، گلوب وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

سکیورٹی:

سکول میں سیکیورٹی کیلئے 2 گارڈز موجود ہیں۔

4۔ سٹڈی سنٹر گرلز ہائی سکول:

وقوع:

سکول ماڈل ٹاؤن اے میں گرجا گھر کے قریب واقع ہے۔

قیام:

سکول 1981ء میں قائم کیا گیا۔ جبکہ پہلے اس جگہ پر کرسچین ڈسپنسری تھی۔ پھر نظریہ ضرورت کے تحت اس کو ختم کر کے سکول قائم کیا گیا۔

پرنسپل:

سسٹر نصرت OP اس سکول کی پرنسپل ہیں۔ وہ گریجوایٹ ہیں۔ ان کی تعیناتی علاقائی بشپ کی منظوری سے ہوئی اور سسٹر اینا بخشی ANNA BAKHSHI کی معاونت سے سکول قائم ہوا۔

ایریا:

سکول تقریباً آدھے ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔

تعداد اساتذہ:

مذکورہ سکول میں 17 افراد پر مشتمل سٹاف ہے۔ جن میں 3 مرد ہیں اور باقی خواتین ہیں۔

تعلیمی قابلیت:

اساتذہ کیلیئے کم از کم ایم اے۔ ایم ایس سی تعلیمی معیار مقرر ہے۔

تعداد طلبہ:

سکول میں طلباء کی تعداد 215 ہے جن میں 50 بوائز ہیں اور پنجم کلاس تک مخلوط تعلیم ہے ان میں 40 مسلمان طلباء ہیں۔

انتظام مدرسہ:

سکول کے انتظام کیلیئے پرنسپل نے سسٹر اینا بخشی کی مشاورت سے کمیٹیاں تشکیل دی ہوئی ہیں جن میں ڈسپلن کمیٹی، امتحانی کمیٹی وغیرہ شامل ہیں۔

الحاق:

سکول کا الحاق BISE بہاولپور کے ساتھ ہے۔

آمدنی اور اخراجات:

مذکورہ سکول چونکہ ڈومینیکن کونسل کی آشیرباد سے قائم ہوا اس لئے سسٹر اینا بخشی بھی مالی معاونت کرتی ہے کیونکہ سٹڈی سنٹر خالصتاً غریب کرسچین کیلیئے قائم کیا گیا ہے۔ جو Convent کی فیس افورڈ نہیں کر سکتے۔

اس کے علاوہ Convent ہائی سکول چک T.D.A/75 سے بھی مالی معاونت دستیاب ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں طلبہ سے فیس بھی وصول کی جاتی ہے۔

لیبارٹری:

سکول میں طلباء و طالبات کیلیئے سائنس کی لیبارٹری بھی ہے۔

لائبریری:

سکول میں لائبریری بھی ہے۔ جس سے طلباء استفادہ کرتے ہیں۔

تربیت اساتذہ:

کیتھولک بورڈ آف ایجوکیشن ملتان کی جانب سے ٹریننگ کا انتظام کیا جاتا ہے۔

ٹیچنگ اسٹائل:

وائٹ بورڈ، پروجیکٹر، ملٹی میڈیا وغیرہ۔

سیکیورٹی:

سکول میں 2 سیکیورٹی گارڈز موجود ہیں۔

فارغ التحصیل طلباء:

ادارہ کی فارغ طالبات زیادہ تر نرسنگ کے شعبہ میں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے شعبہ جات میں بھی خدمات میں مصروف ہیں۔

نصاب: ادارہ ھٰذا میں گورنمنٹ آف پنجاب کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

والدین سے رابطہ:

یوم والدین، فن فیئر، تقریب تقسیم انعامات وغیرہ منعقد کر کے والدین سے ملاقات کی سبیل نکالی جاتی ہے۔

ہم نصابی سرگرمیاں:

تقاریب، ڈرامے، مباحثے وغیرہ اور اس کے علاوہ ان ڈور کھیلیں بھی منعقد کی جاتی ہیں۔

5۔ Dominican Convent Girls H/SS

وقوع:

ادارہ ماڈل ٹاؤن اے میں چرچ کے ساتھ واقع ہے۔

قیام:

اس ادارے کا قیام 1966ء میں عمل میں لایا گیا۔

قومیانہ:

ادارہ ھٰذا کو 1974ء میں حکومت پاکستان میں قومی تحویل میں لے لیا۔

واپسی:

2000ء میں حکومت نے کرسچین کمیونٹی کو واپس کر دیا۔

وجہ تسمیہ:

12 ویں صدی کے ایک نامور پادری Saint Dominic کی طرف منسوب ہے۔

پرنسپل ادارہ:

سسٹر اینا بخشی OP، 2000ء سے ادارہ ھٰذا کی پرنسپل ہیں۔ ان کے دور میں ادارہ کو بہت زیادہ ترقی اور استقامت میسر ہوئی ہے اور ادارہ ملک کے نامور اداروں میں شمار ہونے لگا ہے۔

تعیناتی:

ان کی تعیناتی علاقہ بشپ نے ترتیب دی ہے۔

رقبہ:

سکول ھٰذا تقریباً ڈیڑھ ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔

تعداد اساتذہ:

ادارہ ھٰذا میں 75 فی میل اور 52 میل اساتذہ درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ جن میں 10 نان ٹیچنگ سٹاف بھی شامل ہے۔

PA to Principal:

پرنسپل کی معاونت کیلئے جارج رحمت ان کے سیکرٹری کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اور سکول کے تمام معاملات میں ان کو مدد فراہم کرتے ہیں۔

تعلیمی معیار اساتذہ:

ترجیحی طور پر ایم۔ فل اساتذہ وگرنہ ایم۔ اے / ایم ایس سی اساتذہ تعینات کیئے جاتے ہیں۔

تعداد طلباء:

طلباء کی تعداد 3000 کے لگ بھگ ہے۔ جن میں 800 بوائز ہیں۔ پانچویں تک مخلوط تعلیم ہے۔ چھٹی سے ایف ایس سی تک گرلز کیلئے ہائر سیکنڈری سکول ہے۔ اس کے علاوہ کیمبرج کا نصاب بھی منتخب اور خواہش مند طلباء کو پڑھایا جاتا ہے۔ لڑکوں کیلئے حال ہی میں ہائی سکول شروع کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے صرف مڈل تک بوائز کو تعلیم دی جاتی تھی۔

آمدنی اور اخراجات:

سکول کی آمدنی کا انحصار زیادہ تر سکول کی فیس پر ہے۔ طلبہ سے ماہانہ فیس کے علاوہ داخلہ فیس بھی وصول کی جاتی ہے۔ جس سے کافی آمدنی میسر آتی ہے۔ اس کے علاوہ بلڈنگ کیلئے بعض اوقات ڈونرز حضرات بھی Donate کرتے ہیں۔ تقریباً آدھی بلڈنگ لوگوں کے تعاون سے ہی بنی ہے۔

فیس میں رعایت:

Orphan طلباء کے علاوہ مسیحی طلباء کو فیس میں رعایت ملتی ہے۔ فیس معافی کا اختیار پرنسپل ادارہ کو حاصل ہے۔

داخلہ کیلئے میرٹ؛

سکول میں داخلہ کیلئے داخلہ کمیٹی طلبہ کا انٹرویو کرتی ہے اس کے بعد بھی کمیٹی کی رائے سے داخلہ ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی پریشر قابل قبول نہیں ہوتا۔

انتظام مدرسہ:

داخلہ کمیٹی، ڈسپلن کمیٹی، امتحانی کمیٹی، آرگنائزنگ کمیٹی، نصاب کمیٹی وغیرہ پر مشتمل کمیٹیاں شامل ہیں۔

تعلیمی نصاب:

ادارہ مکمل طور پر انگلش میڈیم ہے۔ جس میں پرائمری کلاسز تک آکسفورڈ کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ پھر مڈل اور ہائی میں گورنمنٹ کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً ایک تہائی لڑکیوں کو کیمبرج کا نصاب او۔ لیول اور اے۔ لیول تک پڑھایا جاتا ہے۔

طلبہ کے والدین سے رابطہ:

سکول کی رابطہ کمیٹی طلبہ کے والدین سے رابطہ رکھتی ہے۔

Event Celebration:

Peace Day, National Days, Fun Fair, Labour Day, Mother Day, Father Day, Parents Teachers Meeting Days etc.are celebrated.

ہم نصابی سر گرمیاں:

ڈرامہ، تقریر، مباحثہ، کرکٹ، ہاکی، فٹ بال وغیرہ۔

تربیت اساتذہ؛

کیتھولک بورڈ آف ایجوکیشن ملتان تربیتی ورکشاپس منعقد کرتا ہے۔

لائبریری:

ادارہ میں Up-to-date لائبریری بھی ہے۔

سیکیورٹی:

ادارہ نے فول پروف سیکیورٹی کا انتظام کر رکھا ہے۔

فارغ التحصیل طلباء:

ادارہ سے تعلیم حاصل کرنے والے طلباء طب، نرسنگ، انجینئرنگ، سول سروسز، زراعت اور معاشیات وغیرہ میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔

6۔ کیلوری پینٹی کوسٹ چرچ:

اسلامی کالونی بلاک نمبر 5 میں واقع ہے۔

بنیاد:

اس چرچ کی 2010ء مین بنیاد رکھی گئی۔

پادری:

ماسٹر منور شہزاد اس کے پادری ہیں۔ ایف۔اے کے بعد دو سالہ کورس کیا ہوا ہے۔ جب سے یہ چرچ قائم ہوا اسی وقت سے ہی یہاں پر پادری ہیں۔ اس چرچ میں پروٹسٹنٹ فرقے کے لوگ آتے ہیں۔

وزیٹرز کی تعداد:

روزانہ تقریباً15 سے 20لوگ آتے ہیں اور اتوار کے دن 100 کے قریب لوگ ہوتے ہیں۔

7۔Saint Dominic Church Model Town A Bahawal Pur.

پادری:

فادر افتخار مون OP 2015-06-01ء سے اس چرچ کے پادری ہیں۔ بشپ ملتان پادری کا تعین کرتا ہے۔

تعلیم:

عصری تعلیم میں گریجویشن کر رکھی ہے اور 12 سالہ کورس Priest کا کر رکھا ہے۔

عبادت:

روزانہ عبادت ہوتی ہے۔ صبح 8 بجے تقریباً100 لوگ شامل ہوتے ہیں اور اتوار کے روز 500 لوگ عبادت کیلئے آتے ہیں۔

عبادت کے نام یہ ہیں۔Holy Euchanist, Thank Giving, Holy Mass

چرچ کے ملازمین:

چرچ میں 6 ملازم کام کرتے ہیں

اخراجات:

چرچ اپنے اخراجات چندہ کے ذریعے پورا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ماہانہ کارڈ بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے ہر ممبر 100 روپے جمع کرواتا ہے۔

سیکیورٹی:

پولیس کی جانب سے ایک ASI سمیت 6 اہلکار روزانہ سیکیورٹی فراہم کرتے ہیں جبکہ اتوار والے دن تقریباً20 اہلکار ہوتے ہیں۔ مسیحی رضاکار اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ فادر سیکیورٹی سے مکمل طور پر مطمئن ہے۔ ایسٹر، سینٹ میری، اور کرسمس کے تہواروں پر ڈی۔سی۔او سے مزید سیکیورٹی طلب کی جاتی ہے۔ اور وہ فراہم بھی کرتے ہیں۔

منشور:

اخلاقیات اور سچ کی تبلیغ کرنا اور انھیں عام کرنا۔ اس چرچ کے منشور میں شامل ہے۔

8۔ابن مریم چرچ:

یہ چرچ بلاک نمبر۔4 میں واقع ہے۔ بابو کامران تقریباً 8 سال سے پادری ہیں۔ایف۔اے ان کی تعلیم ہے اور ملتان، سمندری اور گوجرہ میں بھی مذہبی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ اس چرچ کی 23 فروری 1993ء میں بنیاد رکھی گئی۔ اتوار والے دن عبادت ہوتی ہے۔ کرسمس اور ایسٹر کے تہوار بڑے جوش وجذبے سے منائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر بشپ انڈریو فرانسس نے 29 اپریل 2001ء کو اس کی توسیع کی۔ روزانہ عبادت میں 40 سے 50 لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور باقی تہواروں مین 150 سے 200 لوگ موجود ہوتے ہیں۔

9۔فل گاسپل اسمبلی آف پاکستان:

یہ چرچ بلاک نمبر 6 اسلامی کالونی بہاولپور میں واقع ہے۔ 2009ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔

پاسٹر:

پاسٹر طارق پال قیام سے ہی پادری ہیں۔ایف۔اے کے ساتھ ساتھ پاسٹری کورس بھی کیا ہوا ہے۔ روبن ولیم معاون ہیں۔ یہ بھی پروٹسٹنٹ چرچ ہے۔ صبح کی عبادت میں 30 سے 40 لوگ آتے ہیں۔ جبکہ سنڈے اور باقی تہواروں میں 150 لوگ شریک ہوتے ہیں۔

10۔ٹرینٹی گاسپل چرچ:

یہ بلاک نمبر 5 اسلامی کالونی بہاولپور میں واقع ہے۔ چرچ کا قیام 2011ء میں ہوا۔ جبکہ بلڈنگ یکم دسمبر 2013ء کو میسر ہوئی۔

پاسٹر:

شکیب منور بانی اور پاسٹر ہیں۔انھوں نے بھی ایف۔اے اور پاسٹر کورس کیا ہوا ہے۔ یہ بھی پروٹسٹنٹ چرچ ہے۔

روزانہ عبادت نہیں ہوتی صرف سنڈے والے دن اور باقی تہوار منائے جاتے ہیں جن میں تقریباً 100 لوگ موجود ہوتے ہیں۔

11۔یونیورسل گاسپل اسمبلی آف پاکستان:

یہ بھی اسلامی کالونی بلاک نمبر 6 میں 2013ء کو قائم کیا گیا۔

پاسٹر لعزرس پیرا قیام سے ہی اس کے پادری ہیں۔ پاسٹر نے ایف۔اے کے بعد پادری کا کورس لاہور سے کیا ہوا ہے۔

روزانہ کی دعا میں تقریباً 18 سے 20 لوگ موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ سنڈے کو 100 سے 150 لوگ ہوتے ہیں۔ دوسرے مذہبی تہوار بھی منائے جاتے ہیں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا چرچ ہے۔

12۔ چرچ آف پاکستان:

یہ چرچ اسلامی کالونی بلاک نمبر 7 بہاولپور میں واقع ہے۔ 2005ء میں چرچ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پاسٹر سموئل فیروز 2013ء سے اس چرچ کے سربراہ ہیں۔ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا یہ چرچ ہے۔ چرچ آف پاکستان ملتان سے بشپ نے

ان کا تقرر کیا ہے۔ روزانہ کی دعا نہیں ہوتی۔ صرف سنڈے والے دن عبادت ہوتی ہے۔ جس میں 70 سے 80 لوگ شریک ہوتے ہیں۔

13۔ مندر بالمیک:

یہ مندر چاہ فتح خان زنانہ ہسپتال روڈ بہاول پور میں واقع ہے۔

سربراہ:

پنڈت مراری لال اس کے سربراہ ہیں۔ ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کی ہوئی ہے اپنی کتابوں پر دسترس حاصل ہے۔

عبادت کا وقت:

نماز فجر اور مغرب کے بعد کا وقت عبادت کا ہوتا ہے۔

دورانیہ:

عبادت کا دورانیہ 15-25 منٹ کا ہوتا ہے۔

مقدس کتاب: گیتا

سوموار کو اس کتاب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح معاشرتی مسائل، اخلاقیات وغیرہ کے بارے تعلیم دی جاتی ہے۔ عبادت میں 25 سے 30 لوگ شامل ہوتے ہیں۔ پنڈت کا تعین ان کی مقامی ہندو برادری کرتی ہے۔

14۔ وشنو مندر:

یہ مندر نزد کیپٹن ہوٹل محلہ قریشیاں بہاولپور میں واقع ہے۔ اس وقت کوئی پنڈت متعین نہیں ہے تاہم مانو لال اس کا انتظام کرتے ہیں۔ اور عبادت کشن پریمی کرواتے ہیں۔ روزانہ کی عبادت میں 20 سے 30 لوگ ہوتے ہیں۔

عبادت فجر کے وقت اور مغرب کے بعد ہوتی ہے۔ اخلاقیات اور معاشرتی مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔

15۔ شیو مندر:

یہ مندر مقبول کالونی محلات ں بہاولپور میں واقع ہے۔1980ء میں قائم کیا گیا۔ہیرے لال قیام سے ہی اس کے سربراہ ہیں۔

عبادت:

عبادت کا وقت نماز فجر کے وقت اور مغرب کے بعد ہے۔15 سے 20لوگ روزانہ کی عبادت میں شریک ہوتے ہیں۔ھولی اور دیوالی کے موقع پر30 سے40لوگ شامل ہوتے ہیں۔اپنے علاقے میں ہندوؤں کے نکاح خواں ہیں۔

اقلیتی تعلیمی اداروں کی خصوصیات

اقلیتی تعلیمی اداروں نے معاشرے پر درج ذیل بنیادی اثرات مرتب کئے ہیں۔

اعلیٰ تعلیمی معیار کا حصول

اقلیتی تعلیمی ادارے نہ صرف بہاولپور کی شرح خواندگی میں اضافہ کر رہے ہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم کا حصول ممکن بنا رہے ہیں۔ان کا بنیادی تعلیمی ڈھانچہ ایسے طلباء ملک و قوم کو دے رہا ہے جو نہ صرف اپنے خاندان کا نام روشن کر رہے ہیں بلکہ ملک و قوم کا نام بھی پوری دنیا میں اجاگر کر رہے ہیں۔

پاکستان میں تعلیمی حوالے سے اچھی خبر یہ ہے کہ والدین میں اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے جب کہ اس ضمن میں حکومت کی طرف سے مہیا کی جانے والی سہولیات خاص طور پر اعلی معیار کی تعلیم کا فقدان ہے۔اس وقت صورت حال یہ ہے کہ خاص طور پر شہری علاقوں میں متوسط اور کم آمدنی والے والدین بھی بچوں کے لئے تعلیم پر اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں۔اُن کو اس چیز کا یقین ہے کہ صرف تعلیم کا حصول ہی اُن کی آئندہ نسلوں کی زندگیوں میں آسودگی اور خوشحالی لا سکتا ہے۔دوسری طرف جہاں تک حکومت کی طرف سے عوام کو تعلیم کے حصول کی سہولیات اور مواقع مہیا کرنے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں۔اور ملک میں تعلیمی معیار کی بہتری کے لے ہماری سوچ میں اختراع کی اشد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں گہرائی میں ان مسائل کا جائزہ لینا ہو گا جو کہ ملک میں تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں درپیش ہیں اور اُن کو کس طریقے سے حل کیا جائے۔ اس سلسلے میں دو بہت ہی اہم حقائق اوراُن کا تجزیہ درج ذیل ہے۔ اول: آئین میں 18ویں ترمیم (سیکشن A25) کے حوالے سے اب حکومت 5 سے 16 سال تک کے تمام بچوں کو لازمی اور مفت تعلیم دینے کی پابند ہے۔لیکن اس وقت صوتِ حال یہ ہے کہ 5سے 16 سال کے درمیان کی عمر کے تقریباً20ملین بچے سکولوں میں داخل ہونے سے قاصر ہیں۔لیکن جن بچوں کو سکول کی سہولت میسر بھی ہے اُن کا تعلیمی معیار انتہائی ناقص اور مکمل طور پر غیر معیاری ہے اس حوالے سے تعلیم سے محروم بچوں کی تعداد 20 ملین سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔چنانچہ پہلی اختراع یہ ہونی چاہئے کہ طلباء کی تعداد کی بجائے اُن کے تعلیمی معیار کو پرکھا جائے۔ صرف بچوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو سکولوں میں داخل کرنے کا عمل بہت دلفریب مگر گمراہ کن ہو گا۔کیونکہ اس صورت میں تمام تر توجہ سکولوں میں بچوں کی تعداد پر مرکوز رہے گی اور اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

دوم: تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کی راہ میں سب سے بڑی دشواری قابل، فرض شناس، اور پیشہ ورانہ طور پر تجربہ کار اساتذہ کی شدید کمی ہے۔ چنانچہ بہتر تعلیمی معیار کے حصول کی خاطر سب سے پہلے ہمیں اپنے ٹیچرز کی قابلیت اور معیار کو بہتر بنانا ہو گا یہ ایک مشکل کام ہے اور اس کے لیے جدید تکنیکی طریقہ کار کا استعمال بہت سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً خاص طور پر اعلی تعلیم کے حوالے سے ON

INSTRUCTION LINE جس میں(MOOCS)

یعنی MASSIVE OPEN ONLINE COURSES جدید ترین اختراع ہے۔ سکولوں کی سطح پر اس کا استعمال محدود ہے مگر یہ اساتذہ کی تربیت کے ضمن میں بہت ہی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ مزید بر آں معلم اس کے ذریعے اپنے طریقہ تعلیم کو بہت ہی موثر اور آسان بنا سکتے ہیں۔ پنجاب میں صوبائی حکومت کی طرف سے 5 سال سے 16 سال تک کے بچوں کی سکولوں میں داخلے کی مہم ہے جو کہ آج کل زورو شور سے جاری ہے۔ اس عمل کی افادیت صرف اُس صورت میں ممکن ہے جب کہ درس گاہوں میں تعینات کئے جانے والے اساتذہ کا اپنا تعلیمی معیار اپنے کام سے لگن اور اُنس اعلیٰ ترین درجے کا ہو۔ بہر صورت ملک میں تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کے عمل میں دیگر اقدامات کے علاوہ سب سے ضروری چیز اساتذہ کو معاشرے میں ایک اعلیٰ اور اہم مقام دینے کا ہے۔ اس وقت صورت حال کافی حوصلہ شکن ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے اساتذہ کو معاشرے میں ایک اعلیٰ اور اہم مقام دیا جائے۔ اس سلسلے میں جناب اشفاق احمد کے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ درج ذیل ہے۔ اشفاق احمد ایک تعلیمی کانفرس کے سلسلے میں اٹلی تشریف لے گئے۔ کسی وجہ سے اُن کا ایک شاہراہ پر چالان ہو گیا۔ لیکن وہ مصروفیت کی وجہ سے جرمانہ جمع نہ کروا سکے جس کی پاداش میں اُنہیں عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ کارروائی کے دوران جب جج کو پتہ چلا کہ وہ ایک معلم ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں عدالت میں موجودہ افراد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ سب کھڑے ہو جائیں کیونکہ آج ہمارے درمیان ایک استاد موجود ہے اور پھر اُس نے تالیاں بجوائیں اور مقدمہ خارج کر دیا۔ بے شک اُن ممالک کی ترقی کا یہی راز ہے۔ آئیں ہم بھی اس معلم کو معاشرے میں اعلیٰ مقام دیں۔

دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ تعلیم

ان اقلیتی تعلیمی اداروں کی خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہ ایسی تعلیمی روایات کو پروان چڑھا رہے ہیں جو مکمل طور پر دور جدید کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔

تعلیم انسان میں شعور پیدا کرتی ہے. تعلیم کی بدولت ہی انسان اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہے یعنی تعلیم ہی مسائل کا حل ہے لیکن ہمارا تعلیمی نظام ہمارے مسائل حل کرنے کی بجائے مسائل بڑھا دیتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کی تعلیم اور آج کی تعلیم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ اس وقت پاکستان میں تین قسم کے تعلیمی نظام ہیں اور یہ تین طبقاتی تعلیمی نظام ہمارے ملک کی کوئی خاص خدمت نہیں کر رہے بلکہ ہمارے ملک کی نوجوان نسل کے مستقبل کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہیں. ان نظام کی وجہ سے ہماری ڈگریوں کو بیرون ممالک میں خاص اہمیت نہیں دی جاتی اور انہیں دوبارہ سے اپ گریڈ ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں جو تین طبقاتی نظام ہیں۔ ان میں پہلے نمبر پر وہ تعلیمی نظام ہے جس کو ہم اردو میڈیم کا نام دیتے ہیں اس میں زیادہ تر غریب لوگوں کے بچے زیر تعلیم ہوتے ہیں اور ان کو زیادہ تر رٹا سسٹم کے تحت پڑھایا جاتا ہے۔ اردو ہماری قومی زبان ہے اس کے باوجود اساتذہ انکو سمجھا کر پڑھانے کی بجائے رٹے سے یاد کروا کر پاس کرا دیتے ہیں۔

دوسرا تعلیمی نظام اا انگلش میڈیم ہے جو سلیبس بیکن ہاوس، ایجوکیٹرز، کیتھڈرل جیسے نامور سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ ان سکولوں کی فیسیں اور فنڈز اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ یہ صرف امراء، جاگیر داروں، سرمایہ داروں اور سیاستدانوں اور بڑے بڑے زمینداروں کی اولادیں ہی پڑھ سکتی ہیں کیونکہ غریب آدمی کی اوقات اتنی نہیں ہوتی کہ وہ ان سکول کی فنڈز اور فیس ادا کر سکیں۔ جتنی ان کی فیس ہوتی ہے اتنی اس غریب آدمی کی شاید ایک ماہ کی تنخواہ ہوتی ہے۔ پھر ان سب سے بڑھ کر یہ کہ ان اداروں میں اسلامی مضامین اور اردو کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

پسماندہ علاقوں میں O Level & A level کی تعلیم

یہ تعلیمی ادارے ایسے ہیں جو جنوبی پنجاب جیسے پسماندہ خطے خاص طور پر بہاولپور جیسے علاقے میں بین الاقوامی معیار کی تعلیم O Level & A level کی دے رہے ہیں۔ اور بین الاقوامی سطح پر ان اداروں کے طلباء مختلف اداروں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اقلیتی ادارے اور معاشرے پر ان کے اثرات

قوموں کی داستانِ عروج وزوال کو اٹھا کر دیکھیں تو اس حقیقت سے انکار اور راہِ فرار ممکن نہیں کہ ملکوں اور قوموں کی تعمیر، ترقی، خوشحالی اور استحکام کا

عمل نظام تعلیم سے مشروط ہے۔ اسی حقیقت کو مدنظر رکھ کر دنیا بھر کی ریاستیں اپنے شہریوں کو بہتر تعلیمی مواقع فراہم کرتی ہیں۔ ملک وقوم کی تہذیب وثقافت اور نظریے کو تحقیق، جستجو اور تخلیق کے عمل سے مربوط کرکے نظام تعلیم ترتیب دیے جاتے ہیں۔ قومی، سماجی ومعاشرتی حالات وضروریات کو ملحوظ خاطر رکھ کر طویل المیعاد پالیسیاں بنتی ہیں۔ ان پالیسیوں پر عمل درآمد کا منظم طریقہ کار تشکیل دیا جاتا ہے۔ اور وسیع تر قومی وملکی مفاد میں حکومتوں کی تبدیلی اور سیاسی اختلافات سے بالاتر ہوکر پالیسیوں کو تسلسل فراہم کیا جاتا ہے۔ اب ہم ذرا اپنے ملک کے نظام تعلیم کے حال اور اس کے نتائج کا جائزہ لیتے ہیں۔ آزادی حاصل کیے ہوئے ہمیں 64 برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہی، لیکن آج تک ہم اپنی شرح خواندگی 50 فیصد تک بھی نہ لے جاسکے۔ شرح خواندگی کے لحاظ سے پاکستان دنیا میں 160 ویں، اسلامی ممالک میں 54 ویں اور دنیا کے گنجان ترین ممالک کی تنظیم E-9 میں آخری نمبر پر ہے۔[2]

صدیوں کی آبلہ پائی، دیدہ ریزی اور لاتعداد قربانیوں کے بعد حاصل ہونے والے اس ملکِ خداداد میں آج تک ہم مطلوبہ مقاصد حاصل کیوں نہ کرسکی؟ تنکا تنکا پلکوں سے چن کر بنایا ہوا آشیانہ آج آندھیوں اور طوفانوں کے بے رحم تھپیڑوں کی زد میں کیوں ہی؟ آج سندھی، بلوچی، کشمیری اور پٹھان کی پہچان تو برقرار ہے لیکن ایک ''پاکستانی'' کی پہچان کیوں دھندلانے لگی ہی؟

وہ آستانہ کہ جس کی چوکھٹ پر ہزاروں جوانِ رعنا قربان ہوئی، جس کے در و دیوار کو اَن گنت پاکباز شہداء کے خون سے غسل دیا گیا آج کیوں غیر ملکیوں کی آماجگاہ بن گیا ہی؟ شہدا کی اس مقدس امانت کو اس حال میں پہنچانے والے کون لوگ ہیں؟ ہاں وہی شناسا چہری، جانی پہچانی شخصیتیں جنہوں نے لیلائے اقتدار سے ہم آغوش ہوتے ہی قومی خزانے کو خوب لوٹا، اقتدار کو اپنے گھر کی لونڈی

[2] http://www.census.gov.pk/Literacy.htm

سمجھتے ہوئے اندھوں کی طرح استعمال کیا۔ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے پالے ہوئے ان کالے انگریزوں نے ہر شعبہ زندگی کے ساتھ گھناونے کھیل، کھیل کر اپنے ارمان تو پورے کیے ہی، لیکن سب سے زیادہ زیادتی تعمیر و ترقی کی راہ داریوں میں "شاہ کلید" کی حیثیت رکھنے والے نظام تعلیم سے کی۔ وطن عزیز کو ترقی و خوشحالی کی دوڑ میں پیچھے رکھنے والے چند ایک اسباب میں سے اہم ترین سبب تعلیم اور نظام تعلیم کے حوالے سے ناقص پالیسیاں ہیں۔ اہم سبب کا جائزہ لیتے ہیں۔ وطن عزیز کی موجودہ شرم ناک صورت حال کی سب سے بڑی وجہ لارڈ میکالے کا رواں طبقاتی نظام تعلیم ہے۔ لارڈ میکالے نے برصغیر میں برطانوی مفادات کے تحفظ کے لیے ایک ایسا نظام تعلیم تخلیق کیا جس میں حاکم ہمیشہ حاکم اور محکوم ہمیشہ محکوم رہے۔ تعلیمی اداروں سے ذہنی طور پر غلامانہ سوچ، فکر اور خیال کے لوگوں کی کھیپ کی کھیپ حاصل کی جا سکی۔[3]

بدقسمتی سے آزادی کے 64 سال کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ "اسٹیٹس کو" کی وہی سوچ ہمارے نظام تعلیم اور تمام تر تعلیمی پالیسیوں کا مرکزی خیال چلی آرہی ہے۔ تعلیم کے لیے مختص کیے جانے والے سالانہ بجٹ ہی سے ہماری قومی ترجیحات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم تعلیم کو اپنی زندگی میں کیا اہمیت دیتے ہیں۔ تعلیم جیسے اہم شعبے میں خرچ کرنے کے لیے ان کے خزانے میں پیسے نہیں ہوتے۔ آج تک پاکستانی حکومت نے اپنے مالی بجٹ میں جی ڈی پی کا 3 فیصد سے زیادہ تعلیم کے لیے مختص نہیں کیا۔[4]

قومی ترجیحات میں تعلیم کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے سرکاری تعلیمی ادارے وسائل کی کمی اور تعلیمی پالیسیوں میں عدم تسلسل کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر جا پہنچے۔ وسائل کی کمی، میرٹ کی پامالی، اساتذہ کے لیے تنخواہوں کا مناسب پیکج نہ ہونے کی بناء پر لائق اور ذہین افراد کا اعتماد رائج نظام تعلیم سے اٹھ گیا۔ اس کے نتیجے میں سرکار کے تعلیمی اداروں میں وہی لوگ اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے جو بڑی سفارش اور رشوت دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔ میرٹ کے اس کھلے قتل عام کی وجہ سے نظام تعلیم میں وہ لوگ آئے جنہوں نے تعلیم کو تجارت بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ تعلیم کے ساتھ مسلسل سرکاری عدم توجہی اور سوتیلی ماں جیسے سلوک سے نجی شعبے کو تعلیم کے میدان میں قدم جمانے اور اپنی دکان چمکانے کا بھرپور موقع ملا۔ سرکار نے بھی بغیر کسی ٹھوس منصوبہ بندی اور چیک اینڈ بیلنس سسٹم کے نجی شعبے کی تعلیم میں سرمایہ کاری کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے معیارِ تعلیم کی بلندی اور شرح خواندگی میں اضافے کے خوش نما نعروں سے ہر سطح پر نجی تعلیمی اداروں کا جال بچھ گیا۔ آج ہر گلی، محلے اور بستی میں تعلیم کی خدمت، معیاری نظام تعلیم جیسے خوش نما نعروں کے ساتھ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک لوگ اپنی دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔ نجی شعبہ تعلیم میں بھاری رقوم لے کر انگریزی، اردو، آکسفورڈ، امریکن، جرمن، فرنچ اور پاکستانی نصاب کے محلول کے ذریعے اب تک ایسی نسل کی تیاری کا عمل جاری ہے جو نمائشی، غیر معیاری اور غیر اسلامی مخلوط تعلیمی ماحول میں پڑھ کر "نہ خدا ملا نہ وصالِ صنم" کی عملی تفسیر بنی ہوئی ہے۔ ملک میں 26 مختلف نظام ہائے تعلیم رائج ہونے کی وجہ سے معاشرے میں یکسانیت کا فقدان ہے۔ ہر طبقہ ہائے زندگی کے لیے الگ نصاب، الگ زبان اور الگ نظام تعلیم نے معاشرے کو کئی طبقات میں تقسیم کر دیا اور افتراق و انتشار کی وہ آگ بھڑکی ہوئی ہے جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ امیر اور غریب کی تحقیر اور تفریق، لسانیت کا پرچار، قوم پرستی کی بنیاد پر قتل عام، حب

[3] منگلوری، طفیل احمد، سید، "مسلمانوں کا روشن مستقبل" حماد الکتبی شیش محل روڈ لاہور (س ن) ص:162-164۔

[4] بخاری، سید شبیر، "میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم" آئینہ ادب چوک مینار، انار کلی لاہور 1976 ص:30۔

الوطنی کے جذبے کا فقدان اور بے مقصدیت وہ خوفناک مسائل ہیں جو ایک زبان، ایک نصاب اور ایک نظام تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے جنم لے رہے ہیں۔ تعلیم کے نام پر کھلی ان مہنگی دکانوں کے ساتھ ساتھ سرکار نے بھی غریب اور متوسط طبقے کے زخموں پر نمک پاشی کا خوب انتظام کیا۔ سرکاری تعلیمی اداروں میں محدود کوٹہ سسٹم، سیلف فنانس اسکیم، فیسوں میں بے تحاشا اضافے نے غریب اور متوسط طلبہ کے لیے تعلیم کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ نجی اداروں کے ساتھ ساتھ سرکار کے اداروں میں سیلف فنانس اسکیم کے تحت تحصیلِ علم کے لیے جو فیس وصول کی جاتی ہی، ایک متوسط طبقے کا مزدور یا ملازم ساری زندگی اتنی بھاری رقوم ادا نہیں کر سکتا۔ ایک غریب طالب علم کے لیے تعلیم کے دروازے بند کر دینے کے لیے اس کا ایک یہی جرم کافی ہے کہ وہ غریب ہے اور لوٹ مار کر کے امیر نہیں ہوا۔ بد قسمتی سے تعلیم جیسے حساس شعبے کو بھی مقامی ضروریات اور تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے بجائے ایسی پالیسیاں مرتب کی جارہی ہیں جو آئندہ نسل کو غیروں کا غلام بنادیں گی۔[5]

تعلیمی اداروں میں موسیقی

جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ اقتدار میں نجی شعبہ تعلیم کو پوری قوت سے قدم جمانے کے لیے راستہ دیا گیا۔ اگلے قدم کے طور پر جنرل پرویز مشرف کے زمانہ اقتدار میں ذرائع ابلاغ اور بالخصوص برقی ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا) کو ایک طوفان کی سی تیزی کے ساتھ معاشرے کے قلب و دماغ اور فکر و ثقافت کو مسخر کرنے کے مواقع عطا کیے گئے.

نجی شعبہ تعلیم نے قوم کی کس انداز سے خدمت کی اور کس پہلو سے تخریبِ فکر و تہذیب کا زہر پھیلایا ہے؟ سرکاری شعبے نے کیا خدمت کی اور کس حوالے سے بربادی کے کھیل میں آگے بڑھ کر معاونت کی؟ آج ہمارے نجی تعلیمی ادارے کس کلچر کو فروغ دیتے ہوئے ہمیں کس موڑ پہ لے آئے ہیں؟ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں جب نجی تعلیمی اداروں کو کام کرنے کے لیے کھلی چھوٹ دی گئی، تو پہلے ہی ایک دو سال کے دوران ان میں سے اکثر بڑے شہروں کے تعلیمی اداروں نے بطورِ فخر ہماری تہذیبی روایات و اقدار کو پس پشت ڈالتے ہوئے ٹیلی ویژن یا فلمی اداکاروں یا اداکاراوں کو اپنی تقریبات میں بلا کر مہمانِ خصوصی کا اعزاز بخشا۔ گویا بچوں کو بتایا گیا کہ یہ ہیں آپ کے رول ماڈل۔ مزید بر آں بعض اداروں نے موسیقی کی تربیت دینے کے لیے پرائمری کے بچوں کو ہدف بنانے کا راستہ اختیار کیا۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے یہاں پہنچا کہ مخلوط تعلیم کے اداروں نے اپنا دائرہ اسکول سے اعلیٰ تعلیم تک پھیلا دیا اور ذرائع ابلاغ کے تعاون سے بعض نجی تعلیمی اداروں نے بلاانقطاع موسیقی کے سالانہ پروگرام ترتیب دینے شروع کیے۔ والدین نے اس بات پر غور کیے بغیر کہ یہ عمل اندر ہی اندر کیا طوفان مچارہا ہے؟ اپنے ضمیر کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ شاید اس لیے کہ اس سوال کی جانب توجہ دینے کا مطلب 'دقیانوسیت' اور 'ملائیت' کی پھبتی کا نشانہ بننا ہے، اس لیے چاروں طرف خاموشی کی سی فضا نظر آتی تھی۔ یہ سب وہی 'روشن خیالی' ہے، جس کا ڈول جنرل مشرف نے ڈالا، ذرائع ابلاغ نے اس آگ کو بھڑکایا اور نجی تعلیمی اداروں نے بڑی بڑی فیسیں اینٹھ کر اس آوارگی کو 'ہم نصابی سرگرمی' بنادیا۔[6]

---

[5] زبیری، محمد امین، مولوی، "تذکرہ سرسید" پبلشرز یونائیٹڈ انارکلی لاہور (س ن) ص:65۔

[6] www.topstoryonline.com/author/admin/page/3

طبقاتی نظامِ تعلیم

جو قومیں تعلیم اور تعلیمی نظام کو ایک مذاق کے طور پر لیتی ہیں وہ ترقی کی دوڑ میں صدیوں کی مسافت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ نظامِ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو معاشرے کی ہر جہت کو درست سمت میں متعین کرتا ہے۔ لارڈ میکالے نے برِصغیر کے عوام کو ایک لمبے عرصے کے لئے غلام بنانے کے لئے اک مخصوص نظامِ تعلیم بنایا اور اس کو برِصغیر میں نافذ کیا۔ اس نظامِ تعلیم کا مقصود اپنے اقتدار کو دوام دینا اور حکومتی معاملات چلانے کے لیے کلرک پیدا کرنا تھا۔ یعنی خود ہمیشہ آفیسر یا حکمران رہنا اور غریب عوام کے بچوں کو کلرک یا چھوٹے موٹے ملازم تک ہی رکھنا تھا۔ لہٰذا اس نظامِ تعلیم سے انگریز کی خواہش کیمطابق ایسے ہی افراد پیدا ہوئے۔[7]

قائد اعظم نظامِ تعلیم کی اہمیت اور موثریت سے آگاہ تھے یہی وجہ تھی کی ان کی ہدایت پر پاکستان کے قیام کے فوراً بعد 1947 میں ایجوکیشن کانفرنس منعقد کی گئی جس میں انہوں نے نظامِ تعلیم کی تشکیل کے لئے واضح ہدایات جاری کیں اور وطن عزیز کے لئے نظامِ تعلیم کے بنیادی خدوخال وضع کر دیے۔ بدقسمتی سے قائدِ اعظم اس دنیا فانی سے جلد کوچ کر گئے اور بعد میں تعلیمی نظام کے پالیسی سازوں میں لارڈ میکالے کی روح حلول کر گئی اور انہوں نے اس سے ملتا جلتا نظام تعلیم اس ملک میں متعارف کروایا اور بعد ازاں نافذ کر دیا جو اب تک موجود ہے۔ جس کی روح سے ان کا اور ان کی اولادوں کا ہمیشہ حکمران رہنے اور غریب عوام کو کلرک اور نوکر بنا کر رکھنے کا خواب ابتک بڑے کامیابی سے پورا ہو رہا ہے۔[8]

1947 سے لیکر اب تک کئی ایجوکیشن کمیشن بنے مگر ملک کو یکساں اور موثر نظامِ تعلیم نہ دیا جا سکا۔ اب ملک میں سینکڑوں قسم کے نظام تعلیم رائج ہیں۔ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ قوم کو تعلیم کس میڈیم میں دینی ہے؟

!یہ بات بڑی قابل توجہ ہے 64 برسوں میں یہ انتہائی اہم کام کیوں نہیں ہو سکا؟ جواب بڑا سیدھا اور واضح ہے۔ یہ اربابِ اختیار بھی دراصل لارڈ میکالے ہی ہیں جنھوں نے اس طبقاتی نظامِ تعلیم کی سازش کی تاکہ وہ خود اور ان کی اولادیں ہمیشہ حکمران رہیں اور عام عوام ہمیشہ ان کے غلام ہی رہیں۔ سرکاری تعلیمی ادارے جو غریب عوام کے بچوں کی تعلیمی درسگاہیں ہیں وہ بھی اب تباہی کے آخری کنارے پر ہیں۔ کہیں سکول کی عمارت ہے تو استاد نہیں۔ کہیں استاد ہیں تو سکول کی عمارت نہیں رڑے میدان میں تعلیم جاری ہے۔

نصاب کے معاشرے پر اثرات

نصاب تعلیم کا انحصار ریاست کی قومی تعلیمی پالیسی پر ہوتا ہے، جس میں مستقبل کے اہداف کا تعین کیا جاتا ہے۔ وقت اور حالات کے تحت جہاں دیگر ریاستی امور و معاملات تبدیلیوں اور تغیرات سے گزرتے ہیں، وہیں تعلیمی اہداف بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں چونکہ نصاب تعلیم قومی اہداف سے مشروط ہوتا ہے، اس لیے اس میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک ترقی دوست ریاست رونما ہونے والے اندرونی وبیرونی تغیرات کا ادراک کرتے ہوئے اپنی دیگر پالیسیوں کے ساتھ تعلیمی نظام کی فعالیت کو برقرار رکھنے کی خاطر اس میں بھی حسب ضرورت ترامیم و اضافہ کرتی رہتی ہے۔ پاکستان کے نظام تعلیم میں گو کہ مختلف

[7] دی سیکرٹ آف چائلڈ ہڈ، ص230۔

[8] دی سیکرٹ آف چائلڈ ہڈ، ص230۔

ادوار میں تبدیلیاں ضرور لائی گئیں، لیکن یہ تبدیلیاں حقیقت پسندی کا مظہر ہونے کے بجائے فکری نرگسیت کے زیر اثر زیادہ رہی ہیں جس کی وجہ سے نظام تعلیم معاشرے پر خاطر خواہ مثبت اثرات مرتب کرنے میں ناکام ہے۔

پاکستان جس خطے پر قائم ہوا ہے، وہ انگریز ہی نہیں بلکہ مغلیہ دور سے پسماندہ چلا آ رہا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ملک کے مغربی حصے میں خواندگی کی شرح صرف 8.5 فیصد تھی، جو ا ربن علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والوں کی وجہ سے 14.7 فیصد ہو گئی تھی، لیکن اس شرح میں اگلے چار برس یعنی 1951 تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

البتہ مشرقی حصے میں خواندگی کی شرح مغربی حصے کے مقابلے میں قدرے بہتر تھی۔ تعلیم کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے قیام پاکستان کے فوراً بعد یعنی اسی برس قومی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، لیکن ماہرین کی کمیابی اور وسائل کی عدم دستیابی کے سبب تمام سطحوں پر برطانوی دور کے نصاب کو جاری رکھنے کا فیصلہ ہوا۔[9]

1951 میں ہونے والی تعلیمی کانفرنس میں پہلی بار اہداف کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی اور ایک چھ سالہ منصوبہ (1951-57) ترتیب دیا گیا۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ 4 سے 10 برس عمر کے بچوں کی دو تہائی اکثریت اسکولوں سے باہر تھی۔ انھیں اسکولوں میں داخل کرنے کے لیے نئے اسکولوں کی تعمیر کے ساتھ فوری طور پر 87 ہزار تربیت یافتہ اساتذہ کی ضرورت تھی لیکن سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ صرف تربیت یافتہ اساتذہ ہی کی قلت نہیں تھی، بلکہ میٹرک تک تعلیم یافتہ افرادی قوت بھی بہت کم دستیاب تھی جو اساتذہ درس و تدریس کی ذمے داریاں ادا کر رہے تھے، وہ مطلوبہ تعداد کا تقریباً ایک چوتھائی تھے جن میں سے بیشتر غیر تربیت یافتہ تھے۔

اسی دوران پہلا پنج سالہ منصوبہ (1955-60) پیش کیا گیا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ 4 ہزار نئے اسکول قائم کیے جائیں، تاکہ 1960 تک اسکولوں کی تعداد کو کم از کم 20 ہزار تک پہنچایا جا سکے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ تعلیم کے فروغ کی خاطر نجی شعبے کی بھی حوصلہ افزائی جائے مگر اس دوران پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں جو اسکول کھلے وہ زیادہ تر شہروں میں تھے جس کی وجہ سے دیہی علاقوں کی تعلیمی پسماندگی میں کوئی زیادہ فرق نہیں آ سکا۔[10]

پاکستان کا المیہ یہ رہا ہے کہ جہاں صاحب بصیرت سیاستدانوں کے فقدان کے باعث مختلف ریاستی پالیسیوں پر بیوروکریسی حاوی ہوتی چلی گئی ہے، وہیں تعلیم کے شعبے میں اہل ماہرین تعلیم کی عدم موجودگی کے باعث تعلیمی پالیسیوں کی تشکیل پر بھی روز اول سے بیوروکریسی ہی حاوی چلی آ رہی ہے۔ دوسری طرف ریاستی منصوبہ سازوں نے ریاست کے منطقی جواز کی تھیوکریٹک تفہیم کے لیے ہر سطح پر فکری نرگسیت کا سہارا لیا۔ تعلیم کا شعبہ اس سوچ کی پہلی تجربہ گاہ بن گیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ ابھی چھ سالہ منصوبے پر مکمل طور پر عمل درآمد بھی نہیں ہو پایا تھا کہ ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔

---

[9] تہذیبی کش مکش میں علم و تحقیق کا کردار، ص 51

[10] تہذیبی کش مکش میں علم و تحقیق کا کردار، ص 58

ایوب خان کا دور حکومت گو کہ خاصا لبرل کہلاتا ہے، لیکن نصاب تعلیم میں نفرت انگیز مواد(Hate Material)پہلی بار انھی کے دور میں شامل کیا گیا۔1959 میں انھوں نے ایک نیا تعلیمی کمیشن قائم کیا جس میں نصاب کو مکمل طور پر تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ خاص طور پر تاریخ، جغرافیہ اور شہریت جو چھٹی سے نویں جماعت تک الگ مضمون کے طور پر پڑھائے جاتے تھے، انھیں معاشرتی علوم کے مضمون میں ضم کر دیا گیا۔ اول، تاریخ ایک ذیلی مضمون بن کر رہ گیا۔

دوئم، تاریخ کو اس خطے میں مسلمانوں کی آمد اور آل انڈیا مسلم لیگ کی جدوجہد تک محدود کرنے کے علاوہ اس میں غیر مسلموں کے خلاف نفرت انگیز مواد شامل کر دیا گیا۔ یہی کچھ جغرافیہ اور شہریت کے ساتھ کیا گیا۔ اردو میں ایسے مضامین شامل کیے گئے جن سے مسلم قومیت کا تصور اجاگر ہوتا ہو۔ ون یونٹ کی خواہش میں سندھ کے تعلیمی اداروں سے سندھی زبان کی لازمی مضمون کے طور پر تدریس ختم کر دیے جانے کے نتیجے میں صرف کراچی میں 400 سندھی میڈیم اسکول بند کر دیے گئے۔[11]

اس زمانے میں نصاب کی تیاری کا کام وفاقی وزارت تعلیم کی ایک برانچ جو Curriculum Wing کیا کرتی تھی جسے ملک کے دونوں صوبوں کے سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں پڑھایا جاتا تھا۔ بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت نے 1972 میں نئی تعلیمی پالیسی ترتیب دی۔ گو کہ اس پالیسی کی تیاری میں بھی نمایاں کردار بیوروکریسی ہی کا تھا، لیکن اس تعلیم کے بارے میں پیپلز پارٹی کے اہداف کو شامل کیا گیا تھا۔ اس پالیسی کے تحت اسکولوں اور کالجوں کو قومیائے جانے کے ساتھ نصاب کی تیاری کے لیے قومی ادارہ نصاب و نصابی کتب (National Bureau of Curriculum & textbooks) قائم کیا گیا۔

اس کے علاوہ ہر صوبے میں صوبائی ادارہ نصاب و توسیع تعلیم (Bureau of curriculum & extension wing) اور ٹیکسٹ بک بورڈز قائم کیے گئے۔ بھٹو مرحوم کا خیال تھا کہ جب دس برس بعد مشترک فہرست (Concurrent list) ختم ہو گی اور صوبے تعلیم سمیت دیگر صوبائی شعبہ جات کی پالیسی سازی میں خود مختار ہوں گے، تو اس وقت تک صوبائی ادارہ نصاب کی استعداد اس حد تک بڑھ چکی ہو کہ وہ اپنے صوبے کا نصاب خود بنا سکیں۔ ان اداروں کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نصاب کی تیاری میں اساتذہ کے کردار کو بتدریج بڑھایا اور بیوروکریسی کا کردار کم سے کم کیا جائے۔[12]

لیکن 1977 میں ضیاء الحق کے مارشل لاء نے 1972 کی تعلیمی پالیسی کو اہداف کی تکمیل سے پہلے ہی غیر فعال کر دیا۔ 1979 میں اس حکومت نے ایک نئی تعلیمی پالیسی دی۔ یہ ایک خطرناک پالیسی تھی، مذہبی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ تعصب کی راہ ہموار کی گئی تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ دینیات کا نام تبدیل کر کے اسے اسلامیات کر دیا گیا۔ شیعہ اور سنی طلبہ کے لیے اسلامیات کی الگ کتب لائی گئیں اور امتحانی بورڈز نے اسلامیات کے پرچے میں شیعہ اور سنی طلبہ کے لیے الگ حصے مختص کیے۔

اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی تدریس کو انٹرمیڈیٹ تک لازمی کرنے کے علاوہ پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں بھی شامل کر دیا گیا۔ بھٹو کے دور تک چھٹی سے آٹھویں جماعت تک طلبہ کو فارسی یا عربی میں سے کوئی ایک اختیاری مضمون پڑھنا ہوتا تھا لیکن 1979 کی پالیسی میں عربی کو لازمی مضمون قرار دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ ہر مضمون میں کوئی نہ کوئی ایسا سبق شامل کیا گیا، جس میں

---

[11] اداریہ "دینی تعلیم اور معاشرے کی اسلامی تشکیل"، ماہنامہ "محدث" اگست ۲۰۰۹ء، لاہور۔

[12] مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص 18

غیر مسلموں بالخصوص ہندو کمیونٹی کو سازشی اور مسلم دشمن ثابت کیا گیا ہو۔ یہ ہر حکومت کی دو عملی رہی ہے کہ ایک معتدل راستہ اپنانے کی بجائے صرف وقت پاس کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔

میاں نواز شریف نے اپنے دونوں ادوار میں تعلیمی پالیسیاں دیں، پہلی 1992 اور دوسری 1998 میں۔ ان میں تعلیم کے فروغ کے لیے بعض ٹھوس اقدامات تجویز کیے جانے کے باوجود نصاب میں موجود نفرت انگیز مواد کو خارج کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اس کا سبب شاید اسٹبلشمنٹ اور مذہبی جماعتوں کا دباؤ تھا جن کے مخصوص مفادات کی تکمیل نفرت انگیز مواد کا زہر نئی نسل کے ذہنوں میں بھرنے سے مشروط ہے۔ اب موجودہ دور حکومت میں بھی تمامتر دعوؤں کے باوجود سنجیدہ پیشرفت نظر نہیں آتی۔

جنرل پرویز مشرف نے 2001 میں تعلیم کو عالمی معیار کے مطابق جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے چند ترقی دوست ماہرین تعلیم سے رابطہ کیا جن میں ڈاکٹر اے ایچ نیر، ڈاکٹر پرویز ہودبھائی اور دیگر شامل تھے۔ مگر بیوروکریسی نے ان کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ گو کہ بعض سطحوں پر خوشگوار تبدیلیاں آئیں لیکن نفرت انگیز مواد بدستور نصاب کا حصہ رہا۔[13]

پاکستان میں ایک ترقی دوست نصاب کی تیاری میں سب سے بڑی رکاوٹ ریاست کے منطقی جواز کے حوالے سے پایا جانے والا ابہام ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی اسٹبلشمنٹ اور مقتدر اشرافیہ جدید خطوط پر استوار ترقی دوست نصاب تعلیم کے رائج کیے جانے کے حق میں نہیں ہے کیونکہ تعلیم کے عام ہونے سے ان کے مخصوص مفادات کی تکمیل ممکن نہیں ہوتی۔

اپنے مقصد کے حصول کے لیے مذہبی جماعتوں کو استعمال کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سرکاری اور نچلے متوسط طبقے کے علاقوں میں قائم نجی تعلیمی اداروں میں پڑھایا جانے والا نصاب جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیوں سے محروم ہے جب کہ متمول گھرانوں کے بچے ان تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

جہاں کیمبرج سسٹم کے تحت تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک طرف طبقاتی فرق مزید گہرا ہو رہا ہے۔ دوسری طرف سرکاری تعلیمی اداروں کا معیار پست سے پست تر ہوتا جارہا ہے۔ تعلیمی نظام کی اس تباہی کی تمام تر ذمے داری ریاستی مقتدر اشرافیہ اور مذہبی جماعتوں پر عائد ہوتی ہے جو نصاب تعلیم میں مثبت تبدیلیوں کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔[14]

شہر بہاولپور میں اس وقت کافی سارے اقلیتی تعلیمی اور مذہبی ادارے خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا نصاب تعلیم بہت جاندار ہے۔ مروجہ پبلک اور دیگر نجی تعلیمی اداروں سے اگر ان کا موازنہ کیا جائے تو یہ اپنی تعلیم، نظم وضبط، اصول وضوابط اور بظاہر حب الوطنی میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کا تعلیمی معیار اس وجہ سے بھی اعلیٰ ہے کہ ان اداروں نے نظام تعلیم کے طے شدہ اصول و قوانین پر کوئی کمپرومائز نہیں کیا۔ ان اداروں کے فارغ التحصیل طلباء اپنی نفاست، وضع قطع، کام کے انداز میں بلکل جداگانہ شخصیت کے حامل ہیں۔ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی زندگی کے ہر شعبے میں ان اداروں کے طلباء آپ کو انسانیت کی خدمت کرتے ملیں گے۔ خود اعتمادی اور ملنساری میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہوتا۔ انداز گفتگو نہایت ملائم اور باڈی لنگویج کے

[13] ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون، ص: 39

[14] تہذیبی کش مکش میں علم وتحقیق کا کردار، ص 51

استعمال میں کمال کی مہارت دکھائی دے گی۔ایک کامیاب زندگی گزارنے کے وہ تمام کمالات اور اوصاف دوسرے اداروں کی بنسبت یہاں زیادہ بہتر انداز میں ان کی تربیت دی جاتی ہے۔مثلاً ہمیشہ ایسے لوگوں کو اپنے گرد رکھیں جو خود کامیاب زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ اس طرح آپ بھی زندگی کی کامیاب ہونے کی کوشش کریں گے۔کفایت شعاری ایک اچھی چیز ہے اور لوگوں کو چاہیے کہ کامیاب زندگی کے لئے اسے اپنائیں۔زندگی گزارنے کے لئے دوطرح کے رجحانات پر عمل کیا جاسکتا ہے یعنی بڑا رسک لے کر بڑا کام فوراً کرنا یا پھر رسک نہ لے کر آہستہ آہستہ کام کرنا۔گو کہ رسک نہ لے کر کام کرنے سے زندگی تو گزر جاتی ہے لیکن کامیابی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔اگر آپ کو نقصان ہو رہا ہے تو ضد مت کریں کہ آپ یہ کام کر کے رہیں گے۔گو کہ مستقل مزاجی ایک اچھی بات ہے لیکن ضد کرنا اچھی بات نہیں کیونکہ اس سے نقصان ہونے کا احتمال ہے۔[15]

بہر کیف ان تمام تر خوبیوں اور خصوصیات کے باوجود ان اداروں کے چند کام اور سرگرمیاں قابل غور ہیں جو کہ ہمارے سماج سے مطابقت اور میل نہیں کھاتیں مثلاً جدیدیت کی حد سے زیادہ ترویج، بھاری بھر کم فیسیں، کھلم کھلا لڑکے اور لڑکیوں کا میل ملاپ اور خاص طور پر مشنری طرز پر عیسائیت کی تبلیغ کیونکہ ادارہ کے سربراہ کہ فادر کا خطاب دینا، فی میل میڈم کو سسٹرز اور نن جیسے القابات ٹوٹل مشنری اصطلاحات ہیں جو کہ نوجوان مسلم نسل کے مکمل ایمان کے بگاڑ کا سبب ہیں۔یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دس سے پندرہ سالوں میں خصوصی طور پر اقلیتی مذہبی اداروں کی تعداد ماضی کی نسبت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔آیئے اب بین الاقوامی پس منظر میں عیسائیت کی تبلیغ اور ترویج کے طریقہء کار کو دیکھتے ہیں اور پھر ان اداروں کی سرگرمیوں کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے اس تجزیئے میں کس قدر وزن ہے۔

الحاصل: پاکستان ایک اسلامی جمہوری ملک ہے جس کے آئین و دستور میں اقلیتوں کے تحفظ اور ان کے حقوق کی حفاظت کی مکمل ضمانت دی گئی ہے۔ایک مسلمان ملک ہونے کے ناتے وطن عزیز میں اقلیتوں کو مکمل طور پر تحفظ اور شہری حقوق کی فراہمی کو یقینی بنانے کی ضرورت اور ضمانت مسلمہ ہے۔یوں پاکستان میں اقلیتوں کو دوہرا تحفظ حاصل ہونا چاہیے۔ایک ریاست کے برابری کے شہری ہونے کے ناتے اقلیت کا تحفظ اور دوسرا تحفظ دین اسلام کے مطابق جو وطن عزیز کا سرکاری مذہب ہے۔پاکستان کے آئین میں اقلیتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں اگر ان کا موازنہ مسلمانوں سے کیا جائے تو گویا اقلیتوں کو دوہرے تحفظ کے مواقع میسر ہیں۔مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلم حکومتوں اور حکمرانوں نے اپنے قلمرو میں ہمیشہ سے اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھا ہے۔

---

[15] اسلامی تہذیب وثقافت، ڈاکٹر علی اکبر ولیتی ،انتشارات نور مطاف، مترجم: معارف اسلام پبلشرز، رجب المرجب 1428،، ص46